انگریزوں نے ہمیں کیسے لوٹا۔؟

تلخیص و ترتیب:

سید عبدالوہاب شاہ شیرازی

نوٹ: اس تحریر میں ہندوستان سے مراد، انڈیا، پاکستان، بنگلادیش افغانستان سمیت سارا قدیم ہندوستان مراد ہے۔ جبکہ اس میں زیادہ تر مواد مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی کتاب برطانوی سامراج سے لیا گیا ہے۔

ناظرین وہ یورپی ممالک جن کی نیشنیلٹی لینے کے لیے آج کا مسلمان، اپنا دین ایمان بیچنے۔ اپنے ملک کو گالی دینے، حتی کہ غداری کرنے تک بھی تیار ہو جاتا ہے۔ یہ یورپی ممالک پہلے اس قابل نہیں تھے۔ آج تو ہمارے حکمرانوں کو بھی اگر یورپی ملک کی نیشنیلٹی اور اپنے ملک کی اسمبلی میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہو تو وہ نیشنیلٹی کو ترجیح دے کر اسمبلی سے استعفیٰ دے دیتے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں ہم دنیا کی امیر ترین قوم تھے، ہندوستان کو دنیا میں سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا۔ ہماری تعلیم، تربیت، ترقی، اعلیٰ اخلاق، بہادری کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، لیکن پھر یہاں انگریز آیا اور سب کچھ الٹ کر رکھ دیا۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ آج اسی کی کچھ تفصیل میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔

ہندوستان انگریز سے پہلے کیسا تھااور ہندوستان انگریز کے بعد کیسا تھا؟

تو چلیں ایک نظراس پرڈالتے ہیں کہ ہندوستان انگریز کے آنے سے پہلے کیسا تھا۔؟

ناظرین اس سلسلے میں ہم چند چیزوں کا تجزیہ کریں گے اور وہ یہ ہیں:

ہندوستان کی مالی حالت۔ہندوستان کی زرعی حالت۔ہندوستان کی صنعتی وتجارتی حالت۔ ہندوستان کی اخلاقی حالت۔ہندوستان کی تعلیمی حالت۔ہندوستان کی مذہبی رواداری تو چلیں سب سے پہلے ہندوستان کی مالی حالت کو دیکھتے ہیں۔

01۔انگریز کے ہاتھوں ہندوستان کی مالی بربادی

انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی مالی حالت

انگریزی عروج سے پہلے ہندوستان نہایت زیادہ دولت منداور سرمایہ دار ملک تھا جس کی مثال دنیا کے کسی ملک میں نہیں ملتی تھی۔ڈاکٹر واکز کہتاہے:

ہندوستان کی دولت تجارت اور خوشحالی نے سکندر اعظم کے دل پر گہرا اثر کیااور جب وہ ایران سے ہندوستان کی طرف روانہ ہواتواس نے اپنی فوج کو کہاکہ اب تم اس سنہرے ہندوستان کی طرف کوچ کررہے ہو جہاں نہ ختم ہونے والے خزانے ہیں۔

تھارن ٹن اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے:

یورپ کو تہذیب سکھانے والے یونان اور اٹلی جب بالکل جنگلی حالت میں تھے ہندوستان اس زمانہ میں بھی درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا اور دولت کا مرکز تھا۔ یہاں کی زمین نہایت زرخیز، یہاں کے لوگ بڑے بڑے لائق اور کاریگر تھے۔ مشرق و مغرب کے تمام ممالک ہندوستان کی اشیاء کو بڑے شوق سے خریدتے تھے۔

فرانس کے مشہور سیاح برنیز نے لکھا تھا:

ہندوستان ایسی گہری خلیج ہے جس میں دنیا بھر کا سونا اور چاندی آکر جمع ہو جاتا ہے اور بڑی مشکل سے باہر نکلتا ہے۔

لارڈ میکالے لکھتا ہے:

ہندوستان کا صوبہ بنگال جنت سمجھا جاتا ہے، لندن اور پیرس کے اعلیٰ خاندانوں کی عورتیں یہاں کی کھڈیوں کے نازک ترین کپڑے زیب تن کرتی ہیں۔

کپتان الگزینڈر کہتا ہے:

ہندوستان کے صرف ایک تاجر عبدالغفور کا سرمایہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کل سرمایہ کے برابر ہے۔

ایک چینی سیاح لکھتا ہے:

ہندوستان کی عوام نہایت خوشحال اور فارغ البال ہے۔ کسی قسم کا مالیہ یا ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا، یہاں کے راجہ کسی کو بھی جسمانی سزا نہیں دیتے۔

مشہور انگریز نکو موڈی کا نتی اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے:

گنگا کے کنارے بڑے بڑے اور نہایت خوبصورت شہر آباد ہیں جن کے ارد گرد خوبصورت باغیچے اور لہلہاتے کھیت ہیں، یہاں گویا سونے کے دریا بہہ رہے ہیں۔ یہاں موتیوں اور جواہرات کی بھی کوئی انتہاء نہیں ہے۔

ناظرین اکبر کے زمانے میں ہندوستان کی دولت و ثروت کا اندازہ لگانے کے لیے ہم آپ کو ہندوستان کی اشرفیوں کے وزن بھی بتاتے ہیں۔

یہاں سب سے بڑی اشرفی مہر شاہی کہلاتی تھی جو ایک کلو سونے کی ہوتی تھی۔ جی ہاں ایک کلو سونے کی اشرفی ہوتی تھی۔

دوسری اشرفی 900 گرام سونے کی۔ تیسری اشرفی 500 گرام یعنی آدھا کلو سونے کی۔ چوتھی اشرفی 250 گرام سونے کی ہوتی تھی اسی طرح مزید چھوٹی اشرفیاں بھی موجود تھیں۔ جبکہ جہانگیر کے زمانے میں ان اشرفیوں کا وزن تھوڑا کم ہو گیا تھا۔

ناظرین ایک نہایت ہی دلچسپ بات صاحب علم المعیشت نے لکھی ہے وہ یہ کہ : اورنگ زیب عالمگیر جب حکمران بنا تو اس نے صرف آگرہ اور دہلی کے خزانوں کو گننے کا حکم دیا۔ کئی ہزار لوگوں نے ان دو شہروں کے خزانے تولنا شروع کیے سب سے پہلے چاندی کو تولنا شروع کیا، اور چھ مہینے گزر گئے، جب معلوم کیا گیا تو پتا چلا ابھی شاہی خزانے کا صرف ایک کونا ہی تولا جا سکا ہے۔ اور ابھی سونے کی اشرفیوں اور جواہرات کو تولنے کی باری ہی نہیں آئی۔

ناظرین ایک زمانہ تھا جب ہندوستان کی دولت کے افسانے اقالیم دنیا میں مشہور تھے اور کہتے ہیں کہ یہی جنس تھی جس نے یورپ کی جنگجو اور گھٹیا اقوام کو اس سرزمین کی طرف کشاں کشاں کھینچا تھا۔ کیا یونانی، کیا عرب، کیا ترک و تاتار آئے اور بے شمار زر و جواہرات اور بے شمار سامان ساتھ لے گئے۔

ناظرین قدیم ہندوستان کی عوام کو پاکستان کی موجودہ حالت کی طرح بے نظیر انکم سپورٹ، اور احساس پروگرام کی طرح چند سو روپیوں کے لیے اتنا ذلیل نہیں ہونا پڑتا تھا۔

1772 میں ہندوستان میں جیولری کی دکانوں پر اشرفیوں کے ڈھیر ایسے لگے ہوتے تھے جیسے منڈیوں میں اناج گندم کے ڈھیر ہوتے ہیں۔ جہانگیر سال میں کئی بار اپنے وزن کے برابر سونا چاندی، فلزات، ریشم وغیرہ لوگوں میں تقسیم کرتا تھا۔ ہر روز شام کو جب سیر

کے لیے نکلتا تو دو بوریاں پیسوں کے ساتھ لے کر نکلتا اور لوگوں میں تقسیم کرتا، ہر رات جب سوتا تو سرہانے کے پاس ایک بوری پیسوں کی رکھتا جسے صبح لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا، ظاہر ہے ایسی فیاضی بغیر دولت و ثروت کے نہیں ہو سکتی۔

مقریزی اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

شہنشاہ محمد تغلق سالانہ دو لاکھ جوڑے کپڑوں کے اور دس ہزار گھوڑے عوام میں تقسیم کرتا۔ روزانہ بیس ہزار لوگ دو وقت کا کھانہ شاہی مہمان خانے میں کھاتے تھے۔ شاہی باورچی خانے میں روزانہ پندرہ سو گائیں اور دو ہزار بکریاں مہمانوں کے لیے ذبح ہوتی تھیں۔ دو سو علماء روزانہ بادشاہ کے دستر خوان پر کھانا کھاتے، صرف دہلی شہر میں ستر ہسپتال مفت کام کرتے تھے، دو ہزار مسافر خانے قائم تھے اور صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے موجود تھے۔

ایک اور انگریز لکھتا ہے جب میں ہندوستان میں داخل ہوا تو میں نے خیال کیا کہ میں سادگی، مسرت کے زمانے میں ہوں جہاں فطرت اب تک غیر مبدل تھی اور جنگ و مصیبت سے کوئی آشنا نہ تھا، سب خوش و خرم، اور تندرست تھے۔

ناظرین میں نے آپ کو انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندوستان کی مالی حالت کا خاکہ انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جسے مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں بڑی

تفصیل اور حوالوں کے ساتھ لکھا ہے۔اب ذرا انگریزوں کے آنے کے بعد ہندوستان کی مالی حالت کیا تھی اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔

انگریزوں کے آنے کے بعد ہندوستان کی مالی حالت

انگریزوں کے ہاتھوں ہندوستان کی مالی بربادی کا قصہ بہت دردناک ہے۔ہندوستان کے عام لوگ اور تاجر اتنے فراخ دل، رحمدل اور دریادلی کے مالک تھے کہ انگریز نے یہاں سے تجارت کے نام پر اتنا پیسہ کمایا کہ بعد میں اپنی چالا کی اور احسان فراموشی سے یہ پیسہ اور انگریزوں کو دی جانے والی رعایت اور رحمدلی خود ہندوستان کے لیے وبال جان بن

گئی۔ ہندوستان کے بادشاہوں اور حکمرانوں نے انگریزوں کو اپنی دریادلی کی بناپر اتنی رعایتیں دیں کہ آج کا جدید یورپ بھی دنیا کی کسی قوم کو اتنی رعایت نہیں دے سکتا۔

اگر انگریزوں میں ذرا سی بھی تہذیب، انسانیت و شرافت، عدل وانصاف، مروت واخلاق ہوتا تو ہمیشہ مسلمانوں کا ممنون احسان رہ کر دائرہ قانون کے تحت شکر گزاری کے ساتھ اپنی تجارت میں مشغول رہتا۔ مگر انگریز نے شروع ہی سے اپنی مکاری، چالاکی، بربریت، جعلسازی اور غداری سے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رکھا۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی جس کے پاس پہلے کچھ نہیں تھا اس نے 1608 سے 1757 تک ہندوستان کی دولت کو سمیٹ کر برطانیہ منتقل کیا، اور یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ خود کمپنی کے ڈائریکٹر لکھتے ہیں کہ:

یہ بڑی دولت جو ہم نے ہندوستانی تجارت سے حاصل کی ہے جابرانہ دستورالعمل سے مہیا ہوئی ہے۔

ناظرین ایسٹ انڈیا کمپنی کا کل سرمایہ پہلے صرف تیس ہزار پونڈ تھا اور وہ بھی برطانیہ کے ایک سوایک تاجروں نے مل کر جمع کیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کتنی غریب اور چھوٹی سی کمپنی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ برطانیہ کے بادشاہ چارلس اول نے کمپنی سے دس ہزار پاونڈ قرضہ حسنہ مانگا تو کمپنی نہ دے سکی۔ لیکن پھر ہندوستانی تجارت میں اس کمپنی نے اتنا مال لوٹا کہ چارلس دوم کے زمانے میں خود کمپنی نے بادشاہ کو تین چار لاکھ روپے نذرانہ

دے دیا۔ یعنی جو کمپنی ہندوستان آنے سے پہلے بادشاہ کو دس ہزار قرضہ نہیں دے سکی بعد میں تین چار لاکھ نذرانہ پیش کرتی نظر آتی ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے جن ملازمین کو برطانیہ سے لاتی تھی ان کو خاص طور پر اس اعتبار سے پرکھا جاتا تھا کہ ہندوستان جانے والا ملازم شریف النفس نہیں ہونا چاہیے، تاکہ کمپنی کی ناجائز آمدن میں کمی نہ آسکے۔ چنانچہ ڈاکو، اور جرائم پیشہ افراد کو ہی ملازم رکھ کر ہندوستان لایا جاتا تھا۔

انہیں جیسے لوگوں کے متعلق وارن ہٹنگز لکھتا ہے:

انگریز ہندوستان میں آکر بالکل نیا انسان بن جاتا ہے جن جرائم کی وہ اپنے ملک میں جرات نہیں کرسکتا تھا وہ ہندوستان میں جواز کا حکم رکھتے تھے۔

سر ٹامس کہتا ہے:

میں ہمیشہ دیکھتا ہوں کہ بمقابلہ اور قوموں کے انگریز غیر ممالک میں سب سے زیادہ چیرہ دستی کرتے ہیں، اور ہندوستان میں بھی ایسا ہی کیا۔

مدراس کے ایک پادری نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کو 1676 میں ایک تحریر لکھی تھی جس میں لکھا تھا:

آپ کے ملازموں کی بداعمالیوں سے ہندوستانیوں کی نظر میں آپ کے خدا کی جتنی بے عزتی اور آپ کا مذہب جتنا بدنام ہورہا ہے اس کی کیفیت آپ کو معلوم ہو تو آپ کے آنسوؤں کی ندیاں بہہ جائیں۔

ناظرین ایسٹ انڈیا کمپنی کیسے لوٹ مار کرتی تھی اس کا اندازہ اس عجیب و غریب واقعے سے ہوتا ہے جسے مسٹر برک نے لکھا ہے:

ہندوستان کے ایک نواب کو اپنی فوج کو تنخواہ دینے کے لیے پیسے درکار تھے، چنانچہ اس نے انگریزوں سے قرض مانگا، انگریزوں نے چند ساہوکاروں کو آمادہ کر دیا کہ نواب صاحب کو چار لاکھ اشرفیاں قرض دے دو۔ ان ساہوکاروں نے کہا کہ ٹھیک ہے ہم قرض تو دیتے ہیں اس کے بدلے میں آپ کچھ اضلاع قرض کی واپسی تک ہمارے حوالے کریں۔ نواب صاحب فوج کی بغاوت کے خطرے کی وجہ سے مجبور تھے لہذا چند اضلاع دینے کے لیے بھی تیار ہو گئے اور تحریری طور پر لکھ کر اضلاع ان کے حوالے کر دیے۔ لیکن ان انگریز ساہوکاروں نے پھر بھی قرض نہیں دیا اور ایک تحریر لکھ کر دے دی کہ آپ یہ تحریر اپنی فوج کو دکھا دیں کہ ہم انہیں چار ماہ بعد تنخواہ دے دیں گے، لیکن یہ چار ماہ کیا دو سال گزر گئے اور دو سال بعد انہوں نے چار لاکھ اشرفیاں دیں، لیکن چند اضلاع پہلے دن سے ہی نواب صاحب سے لے کر ان کا محصول اور ٹیکس خود اکھٹا کرنا شروع کر دیا تھا۔

یعنی دو سال تک نواب صاحب کے اضلاع سے ہی پیسہ ٹیکس کی صورت میں جمع کر کے نواب صاحب کو ہی قرض دیا،اس کی مثال شاید دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ناظرین یہی وہ کیمیا بنانے کے نسخے تھے جن کے ذریعے چند سالوں میں غریب انگریز امیر زادہ بن گیا۔

انگریزوں نے دوسرا طریقہ اطاعت باالجبر کا اختیار کیا۔چنانچہ مسلمان حکمرانوں کو ان کے غدار وزیروں میر جعفر،امی چند وغیرہ کے ذریعے شکست سے دوچار کیا۔جس کے صلے میں انگریز نے میر جعفر کو مرشد آباد کی مسند سے نوازا۔میر جعفر جیسے کئی غداروں نے ہندوستان کو تباہ کر کے رکھ دیا اور پھر انہیں غداروں نے پہلے انگریزوں کو جاگیریں تحفے میں دیں اور پھر پورے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد انگریز ان کی اولادوں کو جاگیریں دیتا رہا۔پہلے انگریز نے تجارت پر غلبہ حاصل کیا اور پھر زمینوں پر قبضہ کر کے حکومتیں بنانا اور گرانا شروع کر دیں۔انگریزوں نے بنگال کے تین کروڑ انسانوں کو لوٹ کر کلکتہ میں عظیم الشان دولت جمع کر لی۔اور پھر دولت کے یہ انبار جو کروڑوں اشرفیوں پر مشتمل تھے برطانیہ ایسے منتقل کیے گئے جیسے رومن نے یونان کے خزانے اٹلی بھیجے تھے۔

بروکس اینڈ مسن لکھتا ہے:

میں جب ہندوستان آیا یہاں بڑے بڑے شہر تھے جبکہ بینک کوئی نہیں تھا۔بنگال کی چاندی نے برطانیہ پہنچ کر یہاں کی دولت میں بہت اضافہ کیا۔

سر ولیم لکھتا ہے:

معرکہ پلاسی کے بعد بنگال کی دولت لٹ لٹ کر لندن پہنچنے لگی اور اس کا فوری اثر بھی ظاہر ہوا، یعنی یورپ میں صنعت و حرفت کا انقلاب شروع ہو گیا۔ سر ولیم کہتا ہے ہندوستان سے سونے کا دریا لندن کی طرف بہنے سے پہلے لندن میں کپڑے بنانے والے چرخوں سمیت کسی بھی چیز میں ہندوستان پر برتری نہیں تھی۔

میجر ونگیٹ کہتا ہے:

جنگ پلاسی اور جنگ واٹر لو کے درمیانی زمانہ میں ہندوستان سے لندن کو پندرہ ارب روپیہ منتقل ہو چکا تھا۔

ناظرین میں آپ کو بتاتا چلوں یہ روپیہ آج کا روپیہ نہیں تھا، اس وقت کے ایک روپے میں بھینس مل جاتی تھی، ایسا پندرہ ارب روپیہ لندن منتقل کیا گیا۔

لارڈ میکالے کہتا ہے: دولت کے دریا ہندوستان سے برطانیہ کی طرف بہتے چلے جاتے تھے۔

سر جان شور لکھتا ہے: ہندوستان کا عہد زرین گزر چکا جو دولت کبھی اس کے پاس تھی اس کا بڑا حصہ کھینچ کر برطانیہ بھیج دیا گیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے کمائی کا ایک اور عجیب وغریب دھندہ شروع کرر کھا تھا اور وہ یہ تھا کہ :

میر جعفر کو بنگال کا تخت دلایا جس کے صلے میں میر جعفر نے انگریزوں کو تین کروڑ دیے۔ پھر میر جعفر کو ہٹا کر میر قاسم کو مسند پر بٹھا دیا تو اس نے بطور انعام انگریزوں کو دو کروڑ باسٹھ لاکھ دیے۔ پھر کچھ عرصے بعد میر قاسم کو ہٹا کر پھر میر جعفر کو تخت پر بٹھا دیا تو اس نے بطور انعام انگریزوں کو ڈیڑ کروڑ دیے۔ پھر کچھ عرصہ بعد میر جعفر کو ہٹا کر نجم الدولہ کو تخت پر بٹھایا تو اس نے بطور انعام دو کروڑ دیے۔ یعنی کبھی ایک کو تخت پر بٹھاتے اور اس سے انعام پاتے اور کبھی دوسرے سے انعام پاتے۔ اس طرح کچھ عرصے میں چالیس کروڑ روپے لوٹ کر برطانیہ بھیجے گئے۔
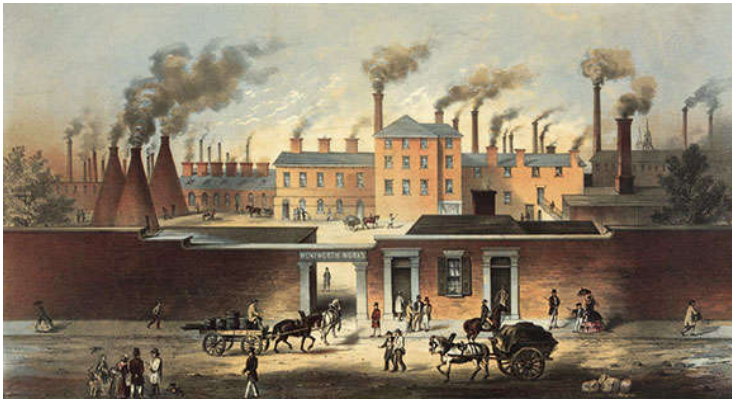
ایک اور عجیب واقعہ جس نے ہندوستان کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا یہ پیش آیا کہ فرخ سیر بادشاہ دہلی کی لڑکی آگ میں جل گئی، تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا ڈاکٹر علاج کے لیے پیش کیا، اس

کے علاج سے لڑکی ٹھیک ہو گئی تو بادشاہ نے بطور انعام جواہرات دیے تو ڈاکٹر نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا آپ کمپنی کے ٹیکس معاف کر دیں، چنانچہ بادشاہ نے ٹیکس ختم کر دیے، جس کے نتیجے میں کمپنی نے گرم بازاری شروع کر دی اور مقامی تاجروں کی تجارت ختم ہو کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ مقامی منڈیوں میں انگریزوں نے چھوٹی سے چھوٹی چیزوں نمک، تمباکو، چاول، گھی، پان، بھس وغیرہ کی تجارت بھی شروع کر دی۔ کسی حکومتی کارندے کو ان سے ٹیکس لینے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔

ناظرین یہ تو وہ حربے اور چالاکیاں تھیں جن کے ذریعے انہوں نے یہاں کی دولت کو سمیٹا، اس کے علاوہ ظلم، بدمعاشی، بھتہ خوری کے حربے اس کے علاوہ تھے۔

پھر انگریزوں نے زرعی زمیں ٹھیکے پر لینا شروع کر دیں اور آہستہ آہستہ بدمعاشی سے ان پر قبضہ ہی جما لیا، ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد تو پورے پورے شہر قبضہ کر لیے گئے اور اپنی مرضی کے نواب اور غدار تخت پر بٹھا لیے۔

1833 اور شاہ اسماعیل و سید احمد کی شہادت کے بعد کمپنی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جس میں انگریزوں نے ہندوستانی قوم کو ہر صورت ادنی حالت میں قائم رکھنے کا کام شروع کیا۔ اس مقصد کے لیے نئے نئے قوانین بنائے گئے۔ ہر قانون ایسا بنایا جاتا تھا جس کے ذریعے غلامی کی زنجیر سخت سے سخت ہو، اور زیادہ سے زیادہ پیسہ لوٹا جا سکے۔ ہندوستان میں

یہ رواج تھا کہ اگر کوئی راجہ بے اولاد ہوتا تو وہ اپنے کسی عزیز بچے کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا دیتا جو اس کے مرنے کے بعد حقیقی بیٹے کی طرح وراثت کا مالک قرار دیا جاتا تھا۔ انگریزوں نے یک لخت اس قانون کو ختم کر کے ہندوستان کی پندرہ ریاستوں پر قبضہ کر لیا، اسی طرح صوبہ سندھ، صوبہ پنجاب کو بھی قبضہ کر لیا۔

منٹگمری مارٹن 1838 میں لکھتا ہے:

اگر دولت کا ایسا مسلسل سیلان یعنی بہاو برطانیہ سے کسی اور ملک کی طرف ہونے لگے جیسے ہندوستان سے برطانیہ ہو رہا ہے تو برطانیہ ایک دن میں محتاج ہو جائے، اسی سے اندازہ لگائیں کہ سالوں سے دولت دریا کے سیلاب کی طرح ہندوستان سے برطانیہ منتقل ہو رہی ہے۔

سر جان سلیور لکھتا ہے:

ہمارا طرز حکومت اسپنج سے بہت مشابہت رکھتا ہے وہ گنگا کے دہارے سے تمام نعمتیں چوس لیتا ہے اور ٹیمز کے کنارے نچوڑ دیتا ہے۔

مسٹر اے جی ولسن لکھتا ہے:

یہاں کے باشندوں کی اوسط آمدنی صرف پانچ پونڈ سالانہ ہے، جبکہ ہم اس بدقسمت ملک ہندوستان سے ہر سال پورے تین کروڑ پونڈ مختلف طریقوں سے کھینچ لیتے ہیں۔ یعنی تین کروڑ انسانوں کی روٹی ہم چھین کر ہر سال برطانیہ بھیج دیتے ہیں۔ یاد رہے یہ وہ دولت ہے جو قانونی طریقے سے لوٹی گئی، جبکہ غیر قانونی طریقے سے لوٹی گئی دولت اس کے علاوہ ہے۔ 1833 تک تیس ارب پونڈ ہندوستان سے صرف ایک بینک آف انگلینڈ میں منتقل کیے جا چکے تھے۔ یاد رہے اصل مقدار اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ یہاں سے جانے والی ساری دولت بینک آف انگلینڈ میں تو نہیں جاتی تھی۔

انگریز ہندوستان میں حکومت کرتے ہوئے خود ہی برطانیہ سے قرض لیتے پھر اس پر خود ہی ہندوستان کی دولت سے سود لیتے۔ یعنی خود ہی خود سے قرضہ لیتے اور اس کا سارا سود کی بوجھ یہاں کی عوام پر ڈال دیتے۔

اس سے عجیب طریقہ یہ کیا جاتا کہ جنگوں میں ہندوستانی فوجی اور ان کا خون استعمال ہوتا، مال غنیمت خود قبضہ کر لیتے، اور جنگوں کے اخراجات ہندوستان کے ذمہ ڈال دیے جاتے۔

اب آپ کو ایک اور عجیب بات بتاتے ہیں شاید یہ سن کر آپ اپنا سر دیوار پر مار دیں:

1857 میں تاج برطانیہ نے ہندوستان کو ایسٹ انڈیا کمپنی سے چار کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ میں خرید لیا، لیکن یہ رقم تاج برطانیہ نے کمپنی کو نہیں دی بلکہ یہ رقم کمپنی کو دینا بھی

ہندوستان کے کھاتے میں ڈال دیا اور پھر اس پر سود در سود ہندوستان سے ہی دلوایا جاتا رہا۔ یعنی یہ ایسا ہی ہے کہ آپ کسی سے بکری خریدیں اور پھر اس بکری سے کہیں میں نے تجھے دس ہزار میں خرید لیا ہے، اپنی قیمت تو نے خود ہی ادا کرنی ہے۔

ناظرین انتہائی اختصار کے ساتھ ہم نے ہندوستانی کی مالی حالت انگریزوں سے پہلے اور انگریزوں کے بعد کا تجزیہ پیش کیا۔

"MENDING THE LESSON."
POLITICAL ECONOMY. "TAKE CARE, MY DEAR JOHN. DON'T INTERFERE WITH THE LAWS OF SUPPLY AND DEMAND."
JOHN BULL. "I DON'T, MISS PRUDENCE. SHE *DEMANDS* AND I *SUPPLY*!"

02۔انگریز کے ہاتھوں ہندوستان کی زرعی بربادی

انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی زرعی حالت

ناظرین آپ نے ہماری پچھلی ویڈیو میں ہندوستان کی مالی حالت کا جائزہ دیکھا کہ ہندوستان انگریزوں کے آنے سے پہلی مالی طور پر کیسا تھا اور پھر انگریزوں کے آنے کے بعد

ہندوستان کی مالی حالت کیا تھی۔ اگر آپ نے وہ ویڈیو نہیں دیکھی تو نیچے یا اوپر موجود لنک پر کلک کر کے دیکھ لیں۔

آج کی ویڈیو میں ہم ہندوستان کی زرعی حالت کا جائزہ لیں گے۔

ناظریں: ہندوستان زیادہ پیداوار والا انتہائی سستا ملک تھا۔ لیکن انگریزوں نے اسے قحط سے دوچار کر کے نہایت گراں ملک بنا دیا۔ ہندوستان غلوں اور اناجوں کا ملک تھا، یہاں خوشحالی اور فارغ البالی تھی، چیزیں اتنی سستی ہوتی تھیں کہ ان کے بارے سن کا جھوٹ ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

ناظرین خود انگریزوں نے اپنی کتابوں میں ہندوستان میں اشیائے خورد و نوش کی جو قیمتیں لکھی ہیں جنہیں مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب میں نقل کیا ہے حیران کن حد تک کم ہیں، مثلاً بھینس 2 روپے، بیل 2 روپے، بکری موٹی ایک روپے۔ مرغ آدھا آنہ۔ گندم ایک من 9 آنے کی۔ چاول ایک من 9 آنے میں۔ چنے ایک من 3 آنے میں، نمک دو روپے میں 28 من ملتا تھا وغیرہ وغیرہ۔

ابن بطوطہ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے:

بنگال میں چاول ایک روپے میں سولہ من ملتے تھے۔اور روئی کا کپڑا ایک روپے میں تیس گز ملتا تھا۔ گھی ایک سیر تین آنے میں۔آگرہ سے دہلی تک گھوڑے پر بیٹھ کر کرایہ صرف ایک روپیہ ہوتا تھا۔

ناظرین میں نے نہایت اختصار کے ساتھ چند چیزوں کی قیمتیں آپ کو بتائی ہیں جس کی تفصیل آپ کو مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی کتاب برطانوی سامراج نے ہمیں کیسا لوٹا میں مل جائی گی۔اب ذرا یہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ انگریزوں کے آنے کے بعد ہندوستان کی زرعی حالت کیسی تھی۔

انگریز کے آنے کے بعد ہندوستان کی زرعی حالت

انگریزوں نے زراعت کے متعلق بھی نہایت اندوہناک اور دلخراش پالیسیاں بنائیں۔ انگریزوں سے پہلے ایسا ہوتا تھا کہ کاشتکار سے فصل تیار ہونے پر سرکاری نمائندہ موقع پر غلہ کا وزن کر کے چوتھائی حصہ یا اس کی قیمت وصول کر لیا کرتا تھا۔ جس کا فائدہ یہ ہوتا تھا جتنی فصل اتنا ہی ٹیکس، جیسی فصل ایسا ہی ٹیکس، اگر فصل نہیں ہوئی تو ٹیکس بھی نہیں، یعنی کاشتکار اور حکومت فائدے اور نقصان میں برابر ہوتے تھے۔

لیکن جب انگریز آیا تو اس نے بجائے فصل کے زمین پر فکس ٹیکس لگا دیا، چاہے کوئی فصل لگائے یا نہ لگائے۔ چاہے فصل کم ہو یا زیادہ ہو۔ چاہے فصل اچھی ہو یا خراب ہو، چاہے آندھی طوفان، سیلاب سے فصل تباہ ہو جائے ہر حال میں کاشتکار کو فکس ٹیکس انگریزوں کو دینا ہوتا تھا۔ اگر کاشتکار کے پاس ٹیکس نہ ہوتا تو اس کا گھر، اس کی زمین، اس کی عورتوں کے زیوارت ٹیکس کی مد میں زبردستی چھین لیے جاتے تھے۔ چنانچہ انگریزوں کی اس طرح کی ظالمانہ پالیسیوں کی بدولت ہندوسان کی وہ حالت رفتہ رفتہ ختم ہو گئی جس کا ذکر میں پیچھے کر آیا ہوں۔ غربت، افلاس، بے روزگاری، بھوک عام ہونے لگی۔ لوگ اگر کاشتکاری نہیں کرتے تو بھوک سے مرتے ہیں، اگر کرتے ہیں تو دو وقت کی روٹی کے علاوہ سب کچھ انگریز ٹیکس کی مد میں چھین کر لے جاتا تھا۔ یہ ساری وہ تفصیلات ہیں جو خود انگریزوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں نے اپنی تحریروں میں لکھی ہیں۔

ناظرین سالانہ فکس ٹیکس لگانے کا ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ کاشتکار ٹیکس ادا کرنے کی مجبوری کے سبب ہر حال میں ہر سال فصل لگاتے تھے، جس سے زمین بھی کمزور ہو گئی اور پیداواری صلاحیت آدھے سے بھی کم ہو کر رہ گئی۔ وہ ہندوستان جو بقول انگریز مصنفین کے جس کی پیداواری صلاحیت ساری دنیا سے زیادہ تھی، انگریزوں کے ملعون اقتدار اور منحوس زمانہ میں ساری دنیا سے کم ہو گئی۔

ناظرین مہنگائی میں کتنا اضافہ ہوا اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ وہ ہندوستان جہاں ایک روپے میں تین من چاول ملتے تھے انگریزوں کے آنے اور قبضہ کرنے کے بعد ایک روپے میں صرف بارہ سیر چاول کی قیمت ہو گئی۔ اسی تناسب سے باقی چیزوں کی قیمتیں بھی زیادہ ہو گئیں تھیں۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ مہنگائی کے اسباب کیا تھے۔ ناظرین کچھ اسباب کا ذکر میں نے کر دیا ہے جبکہ ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ انگریزوں نے ہندوستان کا سونا اور چاندی لوٹ کر برطانیہ کے بینکوں میں رکھ دیا، پھر اس سرمائے سے یورپ میں صنعتی انقلاب آیا، مشینیں اور دیگر ایجادات ہوئیں، کارخانے لگے اور پھر انگریزوں نے ہندوستان سے خام مال یورپ منتقل کیا اور وہاں کے کارخانوں سے چیزیں تیار کر کے واپس ہندوستان میں بیچنا شروع کر دیں اس طرح ہندوستان یہاں کے ہی مال سے یورپ کی منڈی بن گیا۔

اخبار ملت دہلی 16 جولائی 1931 کی اشاعت میں لکھتا ہے:

رائل ایگریکلچر سوسائٹی کی 1883 کی رپورٹ میں درج ہے کہ 1883 میں 11 کروڑ 86 لاکھ 83 ہزار 7 سو 10 من گندم ہندوستان سے جہازوں میں بھر بھر کر باہر بھیجی گئی۔ یعنی ہر ایک منٹ میں 229 من گندم سپلائی ہوتی تھی۔ اسی طرح چاول ہر منٹ میں 118 من، مسور کی دال 55 من فی منٹ۔ مونگ کی دال 65 من فی منٹ منتقل کی جاتی تھی۔ چنانچہ اتنی تیزی کے ساتھ سونا چاندی اور غلے کی منتقلی سے ہندوستان سونے کی چڑیا سے ایک غریب ملک بن گیا۔

ناظرین آیئے ہم آپ کو ایک اور انداز سے ہندوستان اور برطانیہ کا زرعی موازنہ دکھاتے ہیں:

گیارہویں صدی سے سترویں صدی تک سات سو سالوں میں قحط کتنے آئے۔

گیارہویں صدی میں ہندوستان میں 2 قحط، جبکہ برطانیہ میں 20 قحط آئے۔

بارہویں صدی میں ہندوستان میں 1 قحط، جبکہ برطانیہ میں 15 قحط آئے۔

تیرہویں صدی: ہندوستان میں 3 قحط جبکہ برطانیہ میں 19 قحط آئے۔

چودہویں صدی: ہندوستان میں 3 قحط جبکہ برطانیہ میں 16 قحط آئے۔

پندرہویں صدی: ہندوستان میں 2 قحط جبکہ برطانیہ میں 9 قحط آئے۔

سولویں صدی: ہندوستان میں 3 قحط جبکہ برطانیہ میں 15 قحط آئے۔

سترویں صدی: ہندوستان میں 3 قحط جبکہ برطانیہ میں 6 قحط آئے۔

جبکہ انگریزوں کے آنے کے بعد معاملہ الٹا ہو گیا اور صرف انیسویں صدی میں برطانیہ میں صرف ایک قحط آیا جبکہ ہندوستان میں 31 قحط آئے۔ یعنی پچھلے سات سو سالوں میں ہندوستان میں صرف سترہ قحط آئے اور انگریزوں کے آنے کے بعد صرف ایک سو سال میں دوگنا یعنی 31 قحط آئے۔

پوری دنیا میں 1793 سے 1900 تک ایک سو سات سالوں میں جنگوں میں پچاس لاکھ لوگ مرے۔ جبکہ ہندوستان میں صرف نو سالوں میں قحط سے دو کروڑ انسان مرے۔

ناظرین کرام ان اعداد و شمار سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ انگریزوں نے کس طرح ہندوستان کی زرعی حالت کو نہ صرف بگاڑا بلکہ یہاں لوٹ کھسوٹ کا بازار خوب گرم کیا، غریب برطانیہ امیر ہو گیا اور امیر ہندوستان غریب ہو گیا۔

ناظرین ہم اپنی اگلی ویڈیو میں ہندوستانی صنعتی و تجارتی حالت کا جائزہ لیں گے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندوستان کی صنعتی حالت کیا تھی اور بعد کو کیا ہوا۔
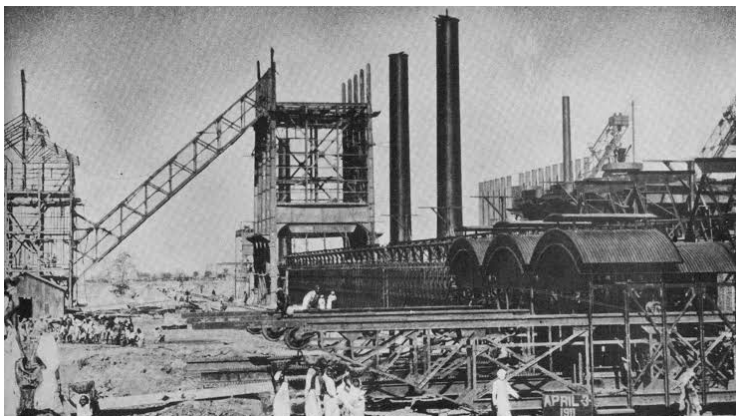
03۔انگریز کے ہاتھوں ہندوستان کی صنعتی و تجارتی بربادی

انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی صنعتی و تجارتی حالت

ہندوستان صنعتی اور تجارتی ملک تھا، ہر جگہ کارخانے قائم تھے، یہاں کے ماہر کاریگر خام مال سے نہایت ہی نفیس اور عمدہ چیزیں تیار کرتے تھے، جو دنیا بھر میں ایکسپورٹ ہوتیں تھی، جس کے نتیجے میں ہر سال کروڑوں اشرفیاں ہندوستان آتیں تھیں۔ چنانچہ نہ یہاں غربت تھی نہ افلاس، بلکہ یہاں کے لوگ نہایت خوشحال اور فارغ البال تھے۔

مسٹر تھارن اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے:

یورپ کو تہذیب سکھانے والے یونان اور اٹلی جبکہ بالکل جنگلی حالت میں تھے ہندوستان اس زمانے میں بھی درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا اور دولت کا مرکز تھا۔ یہاں چاروں طرف

صنعت و حرفت کے کاروبار جاری تھے۔ یہاں کے کاریگر نہایت ہی ماہر تھے، مشرق و مغرب کے تمام ممالک ہندوستان کا کپڑا خریدتے تھے اور کوئی ملک ہندوستان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

صاحب علم المعیشت لکھتا ہے:

اس زمانے میں جبکہ مغربی یورپ کے لوگ غیر مہذب قبائل کی شکل میں آباد تھے، ہندوستان اپنی دولت اور کاریگروں کی اعلیٰ صنعت کی وجہ سے مشہور تھا۔

مسٹر مریڈیتھ اپنی کتاب: ایشیاء و یورپ میں لکھتا ہے:

عام انگریزوں کو یہ سمجھانا مشکل ہے کہ ہماری حکومت سے پہلے ہندوستانی زندگی کیسی پر لطف تھی اور کاروباری اور باہمت لوگوں کے واسطے ہر ایک کاروبار میں کیسی آسانیاں میسر تھیں۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے کاروباری ہندوستانی نہایت آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔

ڈاکٹر فرانسس جنہیں جنوبی ہندوستان کی معیشت کی تحقیقات کے لیے سن 1800 میں مقرر کیا گیا تھا، اس نے خود تمام ملک کا دورہ کر کے ایک رپورٹ شائع کی تھی جو تقریبا چھ جلدوں میں شائع ہوئی تھی جس میں اس نے لکھا تھا:

کپڑے بنانے کی صنعت کا ہندوستان میں اتنا رواج تھا کہ یہ یہاں کا عام پیشہ تھا اور کروڑوں لوگ اس سے وابستہ تھے۔ ہر قسم کی روئی اور ریشم کا کپڑا یہاں تیار ہوتا اور دنیا بھر میں سپلائی ہوتا تھا۔ کپڑوں پر اس غضب کی سوزن کاری ہوتی تھی کہ پرانے کشیدے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کمبل، دریاں، قالین، چادریں، شطرنجیاں بکثرت تیار ہوتیں ہیں۔ تانبے پیتل کے برتن، سونے چاندی کے زیوارت، ہر قسم کا چمڑے کا سامان، طرح طرح کے ہتھیار، دیدہ زیب فرنیچر، ہاتھی کے دانت سے بنی اشیاء اور اعلیٰ کوالٹی کا کاغذ سمیت ہر قسم کی چیزیں یہاں تیار کی جاتی ہیں۔ لیکن ہندوستان کچھ ایسے جال میں پھنسا کہ اس کی صنعت دم توڑنے لگی۔ جس قوم نے صنعت و حرفت میں ایک صدی پہلے اتنی ترقی کرلی تھی اگر حالات خراب نہ کیے جاتے تو آج اس کا حال کیا ہوتا۔

صاحب علم المعیشت لکھتے ہیں:

یہ سن کر شاید تعجب ہو کہ اس زمانے کے لحاظ سے ہندوستان کے لوگ جہاز سازی میں بھی خوب ہوشیار اور ماہر تھے۔ چنانچہ گورنر جنرل لارڈ ویلزلی نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ :

صرف کلکتہ کی بندرگاہ پر دس ہزار ٹن کے قریب جہاز موجود ہیں، جو ہندوستان میں ہی تیار ہوئے ہیں اور ایسے ہیں کہ ان میں برطانیہ مال منتقل ہو سکتا ہے۔ جبکہ بنگال کے جہاز اس کے علاوہ ہیں۔

ناظرین اب ہم آپ کو ایک مشہور مورخ کی بڑی ہی عجیب بات بتاتے ہیں جس سے آپ کو انگریزوں کی اصلیت کا پتا چلے گا۔

مشہور مورخ ٹیلر کہتا ہے:

ہندوستان کا مال لے کر ہندوستانی جہاز جب لندن کی بندر گاہ پر پہنچے تو وہاں ان جہازوں کو دیکھ کر سنسنی پیدا ہو گئی گویا کوئی جنگی بیڑہ گھس آیا ہے۔(یعنی لوگ ان جہازوں کو دیکھ کر حیران و پریشان ہو گئے ایسے جہاز لندن والوں نے کبھی دیکھے بھی نہ تھے۔) چنانچہ لندن کے جہاز سازوں نے شور برپا کر دیا کہ ان کا کاروبار تباہ ہو جائے گا،اور برطانیہ کی جہاز سازی سے منسلک لوگ بھوکے مر جائیں گے۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے فوراآرڈر جاری کیا کہ آئندہ ہندوستان کے جہاز لندن نہ جائیں، بلکہ ہندوستان کے ملازم بھی لندن نہ جائیں کیونکہ وہ وہاں ہماری اصلی حالت کو دیکھیں گے تو پھر ہمارا وہ رعب جو ہندوستان میں قائم ہو چکا ہے ختم ہو جائے گا۔

مسٹر مکرجی اپنی کتاب میں تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں:

سن 1802 کے بعد بھی ہندوستان سے جنگی اور تجارتی جہاز تیار ہو برطانیہ جایا کرتے تھے۔یعنی یورپ ہم ہندوستان والوں سے جہاز خرید تا تھا۔اسی طرح برطانیہ والے یہاں

ہندوستان کے ماہر کاریگروں سے نقشے بھی بنوایا کرتے تھے گویا کہ ہم انجینئرنگ میں بھی برطانیہ سے آگے تھے۔

ناظرین: یورپ کے تیار کردہ جہاز صرف بارہ سال تک چلتے تھے، جبکہ ہندوستان کے تیار کردہ جہاز کی لائف پچاس سال سے زیادہ ہوتی تھی۔

ہندوستان میں لوہا ڈھالنے اور فولاد بنانے کا کام صدیوں سے جاری تھا، اور کتنی بڑی مقدار میں لوہے کو ڈھالا جاتا تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں جو ایک انگریز نے لکھی ہے۔ چنانچہ ایک انگریز لکھتا ہے:

چند سال پہلے تک دنیا کے سب سے بڑے کارخانوں میں اتنی بڑی لاٹھ کا ڈھالنا ناممکنات میں سے تھا اور اب بھی بہت کم کارخانے ایسے ہیں جو اتنی کثیر مقدار میں دھات کو ڈھال سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مصنف لکھتا ہے ہندوستان میں جہاز سازی نہایت اعلی درجہ کی حالت میں تھی مگر انگریز اسے گوارانہ کر سکے۔

ناظرین اس مختصر سی روداد سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ ہندوستان پہلے صنعتی اعتبار سے کتنا مضبوط ملک تھا۔ لیکن پھر کیا ہوا؟ انگریز یہاں آگیا اس کے آنے کے بعد ہندوستان کی صنعتی حالت کا کیا حشر ہوا اب وہ بھی ذرا ملاحظہ کریں۔
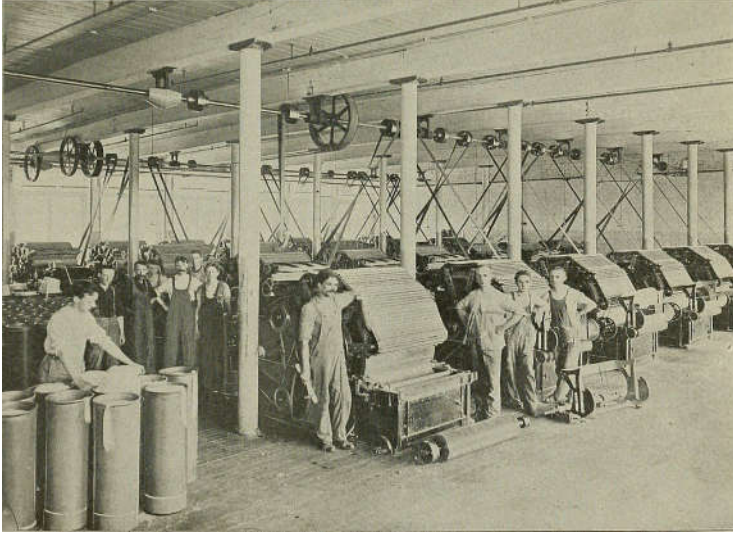
انگریزوں کے آنے کے بعد ہندوستان کی صنعتی و تجارتی حالت

اٹھارویں صدی کے نصف تک ہندوستانی مصنوعات برطانیہ جاتی رہیں، لیکن انگریز نے سوچا اگر یہی صورتحال رہی تو ہم پر تباہ کن زوال آئے گا۔ چنانچہ ہندوستان کی کپڑا سازی کی صنعت کا عروج دیکھ کر انگریزوں کے منہ میں پانی آگیا اور انہوں نے سب سے پہلے ہندوستان کی اسی صنعت پر وار کیا اور ایسا وار کیا کہ اسے تباہ کر کے رکھ دیا۔

سن 1769 کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے اعلی عہدیداروں کو کہا کہ بنگال میں خام ریشم کی پیداوار کو بڑھاو جبکہ ریشم کی تیاری اور کپڑا سازی کو گھٹاو بلکہ مکمل ختم کرنے کی کوشش

کرو۔اور خام ریشم برطانیہ بھیجواور یہاں سے ریشم کا کپڑا تیار کر کے ہندوستان بھیجو۔ چنانچہ اس پر عملدر آمد کے لیے تین طریقے اختیار کیے۔

ایک یہ کہ ہندوستانی کاریگروں کو صنعت کاری سے روکا جائے۔ دوم یہ کہ ہندوستان کا مال برطانیہ میں نہ داخل ہونے دیا جائے۔ سوم یہ کہ برطانیہ کا مال زبردستی ہندوستانی مارکیٹ میں داخل کیا جائے۔ چنانچہ ان تینوں طریقوں پر کام شروع ہوا۔ سب سے پہلے ہندوستانی کاریگروں کو مجبور کیا گیا کہ وہ خود کپڑا سازی کا م نہ کریں بلکہ ہمارے کارخانوں میں کام کریں، جو نہ مانتا اس پر سختی کی جاتی۔ اس کے باوجود بھی جو لوگ اپنے طور پر کام کرتے تھے ان کو روکنے کے لیے جولاہوں کے چرخوں پر بھی بھاری ٹیکس لگادیا گیا تاکہ کوئی بھی شخص خود کپڑے تیار نہ کرے بلکہ ہمارے کارخانے میں آکر کام کرے۔

ناظرین اپنے ان ظالمانہ قوانین کو نافذ کرنے کے لیے لوگوں پر ٹیکس، جرمانے، کوڑے، قید اور ہاتھوں کی انگلیاں تک کاٹ ڈالیں، اور زبردستی کپڑا سازی کی صنعت کو ہندوستان میں بند کروایا گیا۔

اسی طرح دوسرا طریقہ ہندوستانی اشیاء کے برطانیہ میں داخلے پر پابندی لگادی گئی۔ اس کے پیچھے بھی پوری کہانی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ برطانیہ میں پہلے ریشمی کپڑا اٹلی اور فرانس سے آتا تھا، جب ہندوستان سے آنا شروع ہوا تو یہ قیمت میں بھی کم تھا اور نفاست میں بھی

عمدہ تھا، چنانچہ ہندوستانی کپڑا یورپ اور برطانیہ کی ساری مارکیٹ پر چھا گیا، انگریز عورتیں صرف ہندوستانی کپڑا ہی خریدتی تھیں، اس ساری صورتحال کو دیکھ کر پوری پلاننگ سے پہلے اخبارات اور رسالوں کے ذریعے اپنی عوام کا ذہن بنانے کی کوشش کی گئی کہ وہ ہندوستانی کپڑا نہ خریدیں اور پھر مختلف قوانین بنا کر ہندوستانی کپڑے پر فی گز کے حساب سے ٹیکس لگایا اور یہ ٹیکس ہر سال بڑھاتے بڑھاتے اتنا زیادہ کر دیا کہ اب آزادنہ تجارت مشکل ہو گئی، اور ہندوستان کے سوتی کپڑے کی ایکسپورٹ بہت کم ہو گئی، جب ایکسپورٹ کم ہوئی تو کپڑا بننا بھی کم ہو گیا، بلکہ الٹا برطانیہ سے ہندوستان کپڑے کی زبردستی درآمد شروع کر دی۔

چنانچہ ایچ ایچ ولسن لکھتا ہے:

ہندوستان کے بنے ہوئے سوتی اور ریشمی کپڑے خود برطانیہ کے بنے ہوئے کپڑوں سے ساٹھ ستر فیصد کم قیمت میں برطانیہ میں ملتے تھے، اگر ہندوستانی کپڑے پر بھاری ٹیکس نہ عائد کیے جاتے تو برطانیہ کے کاریگر گھر بیٹھ جاتے۔ چنانچہ ہندوستانی کپڑے پر ٹیکس اور پابندی لگائی گئی، جس کے جواب میں ہندوستان کے حکمران کچھ نہیں کر سکتے تھے جبکہ برطانیہ کا مال ہندوستانی بندرگاہوں پر بغیر کسی ٹیکس کے زبردستی اتار لیا جاتا تھا۔

ناظرین یہاں آپ کی دلچسپی کے لیے میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ آج دنیا میں فری ٹریڈ یعنی آزادنہ تجارت کا بہت چرچا ہے، اور ہر ملک کو پابند کیا جارہا ہے کہ وہ آزادانہ تجارت کے معاہدے پر دستخط کرے، جبکہ جب ہندوستان کے عروج کا دور تھا انہیں انگریزوں نے اس آزادنہ تجارت پر اپنے ملکوں میں پابندی لگائی تھی، اب جبکہ ہندوستان تباہ حال ہو چکا ہے اور ساری صنعتیں یہاں ختم ہو چکی ہیں اس لیے اب دوبارہ آزادانہ تجارت پر لیکچر دیے جاتے اور اس کے فوائد بتائے جاتے ہیں۔

ناظرین انگریزوں کے لوٹ مار کہ یہ وہ طریقے تھے جن کے ذریعے انہوں نے ہندوستان کو نہ صرف لوٹا بلکہ تباہ کر کے رکھ دیا۔ وہ ہندوستان جس کے بارے کپتان الگزینڈر 1833 میں لکھتا ہے: اس میں شک نہیں کہ اورنگزیب کے زمانہ میں ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ یورپ کے بڑے بڑے ملک بھی نہیں کر سکتے۔

لیکن دنیا کا سب سے امیر یہ ملک انگریزوں نے ایسے لوٹا کہ سن 1800 سے سن 1900 تک صرف ایک صدی میں 31 قحط آئے اور چار کروڑ لوگ بھوک سے مرے۔

04۔انگریز کے ہاتھوں ہندوستان کی اخلاقی بربادی

انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی اخلاقی حالت

ہندوستان انگریزوں کے آنے سے صدیوں پہلے اسلامی تہذیب و ثقافت، شریعت و طریقت کا مرکز رہا ہے، یہاں لاکھوں علماء اور ہزاروں نامی گرامی روحانی پیشوا گزرے، جن کی محنت کا اثر یہاں کے کروڑوں لوگوں کی زندگی میں نظر آتا تھا۔ چنانچہ سر تھامس شہنشاہ جہانگیر کے زمانے میں ہندوستان آیا اور یہاں کی تہذیب و تمدن کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔اسی بناءپر وہ لکھتا ہے:

ہر شخص میں مہمان نوازی اور خیرات کرنے کا جذبہ موجود ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ صنف نازک (عورت) پر پورا اعتماد کیا جاتا ہے اس کی عزت، عصمت، عفت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یہ ایسے اوصاف ہیں جن کے ہوتے ہوئے ہندوستانی قوم یورپی اقوام پر برتری رکھتی ہے۔ اگر ہندوستان اور انگلستان (یورپ) کے درمیان تہذیب و تمدن کی تجارت کی جائے تو مجھے یقین ہے کہ ہندوستان سے تمدن کی جو کچھ درآمد انگلستان میں ہوگی اس سے انگریزوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔

ناظرین: اس انگریز کی اس خواہش سے کہ ہندوستان کی تہذیب کو یورپ میں لایا جائے تو انگریزوں کو بہت فائدہ ہوگا اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان کی تہذیب و تمدن یورپ کے مقابلے میں کیسی تھی۔

ہندوستان کا یہ دور ایسا تھا کہ یہاں لوگوں میں صداقت، دیانت، عدالت، شرافت، شجاعت، جفاکشی، مردانگی اور مہمان نوازی جیسے اوصاف کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ سچ بولنے کے معاملے میں لوگ اتنے حساس تھے کہ جرائم پیشہ لوگ بھی اپنے آپ کو سزا سے بچانے کے لیے جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ لیکن پھر ہندوستان کی بدبختی کہ یہاں انگریز آگیا۔ انگریز کے آنے کے بعد یہاں کیا ہوا وہ بھی ملاحظہ کریں۔

انگریز کے آنے کے بعد ہندوستان کی اخلاقی حالت

جو انگریز یہاں آئے یا خاص طور پر لائے گئے وہ انتہائی گھٹیا ذہنیت، اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے بدترین اوصاف کے مالک اور یورپ میں جرائم پیشہ عناصر تھے۔ چنانچہ ان کے ان گندے اوصاف کا اثر اگلے سو ڈیڑھ سو سال میں یہاں کے لوگوں میں بھی ہونا شروع ہو گیا۔ چنانچہ مدراس کے ایک بڑے پادری نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کے نام خط میں لکھا:

آپ کے ملازموں کی بداعمالیوں سے ہندوستانیوں کی نظروں میں آپ کے خدا کی جتنی بے عزتی ہوتی ہے اور آپ کا مذہب جتنا بدنام ہو رہا ہے اس کی کیفیت اگر آپ کو معلوم ہو جائے تو آپ کے آنسوؤں کی ندیاں بہہ جائیں۔

ناظرین ایسٹ انڈیا کمپنی جان بوجھ کر انتہائی گھٹیا ذہنیت کے لوگوں کو ملازم رکھتی تھی، چنانچہ برطانیہ کے چنے ہوئے بدمعاش، جرائم پیشہ لوگ، غنڈے ہندوستان بھیجے جاتے، چنانچہ ایسے لوگوں کے اقتدار کی وجہ سے جس قسم کے نتائج معاشرے میں نکل سکتے ہیں آپ خود اس کا اندازہ لگالیں۔

مشہور انگریز گورنر وارن لکھتا ہے:

انگریز ہندوستان میں آکر بالکل نیا انسان بن جاتا ہے جن جرائم کی وہ اپنے ملک میں کبھی جرات کر ہی نہیں سکتا ہندوستان میں ان کے ارتکاب کے واسطے انگریز کا نام جواز کا حکم رکھتا ہے اور اس کو سزا کا خیال تک نہیں ہو سکتا۔

ایک اور انگریز ٹامس کہتا ہے:

میں ہمیشہ سے دیکھتا ہوں کہ بمقابلہ اور قوموں کے انگریز غیر ممالک میں سب سے زیادہ چیرہ دستی کرتے ہیں اور ہندوستان میں بھی یہی واقعہ پیش آ رہا ہے۔

ناظرین یہاں ایک اور دلچسپ بات یہ ملاحظہ فرمائیں کہ جس زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت محض تجارتی تھی اور کمپنی کے ملازم ملک کے حالات سے ناواقف تھے تو اکثر چھوٹے ملازمین جو بنیے کہلاتے تھے ان سے کام لیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک انگریز مسٹر برک لکھتا ہے:

بنیا انگریز کے گھر کا منتظم ہوتا ہے وہ ان تمام چال بازیوں سے واقف ہوتا ہے جو سزا سے بچنے کے لیے استعمال ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ بنیا لوٹ مار کرتا ہے، استحصال کرتا ہے، غارت گری کرتا ہے اور اس میں سے اپنے صاحب (انگریز آقا) کو بھی حصہ دیتا ہے۔

شروع میں انگریز بھی ان بنیوں کے ذریعے ہی لوٹ مار کرتے تھے، انگریز ان کے نام پر ٹھیکے لیتے، ان کو بھی کھلاتے اور خود بھی کھاتے ہزاروں شریف النفس ہندوؤں اور مسلمانوں کا استحصال کر کے ان کی زمینوں پر قبضے کیے گئے۔ ایک انگریز گورنر کا بنیا صرف ساٹھ روپے تنخواہ پر کام کرتا تھا لیکن اس نے ساڑھے بارہ کروڑ کے قریب ترکہ یعنی وراثت چھوڑی۔ معمولی سی تنخواہ پر کام کرنے والا ایک اور بنیا روپ کشن اتنا مالدار تھا کہ اس نے اپنی ماں کے مرنے پر اس زمانے میں نوے لاکھ خرچہ کیا۔ چنانچہ کرناٹک کے ایک نواب نے کمپنی کو خط میں لکھا:

آپ کے نوکروں کا اس ملک میں کوئی کاروبار تو ہے نہیں نہ آپ انہیں معقول تنخواہیں دیتے ہیں پھر بھی چند ہی سال میں وہ کئی کئی لاکھ اشرفیاں کما کر واپس جاتے ہیں اتنی قلیل مدت میں بغیر کسی ظاہری ذرائع کے یہ بے حساب کمائی کہاں سے آتی ہے ہم اور آپ دونوں سمجھتے ہیں۔

ناظرین انگریزوں کی اس اخلاقی گندگی کا اثر ان کے ملازمین پر پڑا، پھر آہستہ آہستہ عام لوگوں بھی اسی اخلاقی و کردار کی گندگی میں ملوث ہو گئے کیونکہ مشہور مقولہ ہے: الناس علی دین ملوکہم، یعنی لوگ اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں، جو اعمال و کردار حکمرانوں کا ہوتا ہے وہی عوام بھی اختیار کر لیتی ہے۔ انگریزوں کی اس لوٹ مار سے ہزاروں لوگوں کے کاروبار تباہ ہوئے، اور کنگال ہو گئے، جس کا نتیجہ یہی نکلا کے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے لوگوں نے بھی غلط راستوں کا انتخاب کر لیا۔

مسٹر سیول میرٹ 1836 میں لکھتا ہے:

برطانیہ کا دور حکومت مہربان بتایا جاتا ہے مگر اس عہد میں ملک جس حالت کو پہنچ گیا ہے اگر اس کا مقابلہ مقامی حکمرانوں کے عہد سے کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس وقت لوگ خوشحال تھے، یہ ملک فلاکت کی انتہائی پستی تک پہنچ گیا ہے۔

لارڈ میکالے کہتا ہے:

زمانہ سابق میں جس طرح کوئی زوردار اور بااثر شخص لوگوں کو افیون پلا کر کاہل پست ہمت اور بدعقل بنادیا کرتا تھا ہمارا نظام سلطنت اسی طرح اہل ہند کو بے کار کر دے گا۔

ایک اور انگریز اپنی کتاب برٹش انڈیا میں لکھتا ہے

انگریزوں کے ہاتھوں ہندوستان فتح ہونے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بجائے ابھرنے کے اس کے تمام باشندے ذلیل ترین ہو جائیں گے۔

ناظرین انگریزوں کی ان پالیسیوں کی بدولت ہزاروں لوگوں کی اخلاقی حالت تباہ ہو گئی اور انہوں نے بھی وہی گھٹیا حرکتیں، اور لوٹ مار شروع کر دی جس کا بیج انگریز نے یہاں بویا تھا۔

اسی طرح ہندوستان میں عدالتی نظام انتہائی سادہ، مفت اور فوری انصاف فراہم کرنے والا تھا۔اس مقصد کے لیے ہندوستان کے ہر ہر علاقے میں پنچائیتیں قائم تھیں، جرگا سسٹم تھا اور علاقے کی مقامی پنچائیت مدعی اور مدعاعلیہ دونوں کے حالات سے واقف ہوتی تھی، اس لیے اس لیے پنچائیت کو مبنی بر انصاف فیصلہ کرنے میں نہ دیر لگتی تھی اور نہ لوگوں کا پیسہ اور وقت برباد ہوتا تھا۔اسی طرح حکومتی سطح پر جو عدالتیں ہوتیں تھیں ان میں بھی شریعت کے مطابق مفتیان کرام فیصلے کیا کرتے تھے۔

انگریزوں نے یہ سارا سسٹم ختم کر دیا اور اب یہ ہونے لگا کہ کسی کا کوئی جھگڑا ہے تو وہ پچاس سو میل سفر طے کر کے ضلعی ہیڈ کواٹر جاتا، وہاں کی رہائش، سفر کے اخراجات وغیرہ برداشت کرتا، وہاں جج کے لیے وکیل اور اس کی فیسیں بھرتا اور پھر بھی فیصلہ اسی کے حق میں آتا جس نے زیادہ پیسہ خرچ کر کے بڑا چرب زبان وکیل کیا ہے۔ایسی صورتحال میں ایک عام آدمی کی سلامتی اسی میں ہوتی تھی کہ وہ اپنے حق کو چھوڑ دے اور خاموشی اختیار کر لے۔

05۔انگریز کے ہاتھوں ہندوستان کی تعلیمی بربادی

انگریزوں سے پہلے ہندوستانی کی تعلیمی حالت

ناظرین اس سے پہلے چار ویڈیوز میں ہم نے ہندوستانی کی معاشی، زرعی، صنعتی اور اخلاقی حالت انگریزوں سے پہلے اور انگریزوں کے بعد کو بڑی تفصیل سے آپ کو بتایا ہے، اگر وہ ویڈیوز نہیں دیکھیں تو نیچے ڈسکرپشن میں موجود لنک پر کلک کر کے دیکھ لیں۔

آج کی ویڈیو میں آپ کو یہ بتائیں گے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندوستان کی تعلیمی حالت کیا تھی اور پھر انگریزوں کے آنے کے بعد ہندوستان کی تعلیمی حالت کیا ہو گئی تھی۔

ناظرین: علم کے جتنے فضائل اور اہمیت اسلام نے بیان کی ہے شاید ہی کسی اور دین و مذہب یا ملت میں اتنی اہمیت تعلیم کی بیان ہوئی ہو، یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں میں نہ صرف بڑے بڑے علماء بلکہ جدید سائنس کی بنیاد رکھنے والے عظیم سائنسدان بھی مسلمان ہی تھے۔ اسلامی تہذیب کی یہ خوبی مسلمانوں کے عظیم ہندوستان میں بھی موجود تھی۔ چنانچہ انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندوستان نہ صرف معاشی لحاظ سے دنیا کا ترقیافتہ ملک تھا بلکہ تعلیمی لحاظ سے بھی ہندوستان کی کوئی مثال نہیں تھی۔ قدیم ہندوستان میں ہزاروں مدارس، سکول، کالج اور یونیورسٹیاں موجود تھیں، جن میں دینی اور عصری علوم ایک ہی جگہ پڑھائے جاتے تھے اور اس سے بھی اہم خوبی یہ تھی کہ تمام تعلیم مکمل طور پر مفت تھی۔ آج جدید دور میں پاکستان کے بجٹ میں تعلیم کے لیے محض دو چار فیصد

رقم ہی مختص کی جاتی ہے، جبکہ آج سے سینکڑوں سال پہلے ترقیافتہ ہندوستان میں بیس پچیس فیصد رقم یعنی ملک کی کل آمدن کا ایک چوتھائی صرف تعلیم پر خرچ کیا جاتا تھا۔

روشن مستقبل کے مصنف لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں کیفیت یہ تھی کہ والیان ملک اور امراء تعلیم کی پوری سرپرستی کرتے تھے اس کے لیے جاگیریں دیتے اور جائدادیں وقف کرتے تھے۔ دہلی کی مرکزی حکومت ٹوٹ جانے پر بھی صرف اضلاع میں جو دہلی سے قریب تر تھے پانچ ہزار علماء مختلف مدارس میں درس دیتے تھے اور حافظ رحمت خان کی ریاست سے تنخواہیں پاتے تھے۔

کپتان الگزینڈر اپنے سفر نامے میں شہنشاہ اورنگزیب کے زمانہ کی حالت بتاتے ہوئے لکھتا ہے:

صرف ٹھٹھہ شہر میں مختلف علوم وفنون کے چار سو کالج تھے۔

ناظرین ٹھٹہ شہر پاکستان کے صوبہ سندھ میں آج بھی موجود ہے، لیکن آج یہاں پانچ سو کالج نظر نہیں آتے، یہ وہی شہر ہے جس کے ذریعے ہندوستان میں اسلام پھیلا تھا۔ اور ایشیاء کی پہلی مسجد بھی اسی شہر میں ہے۔ بجائے اس کے کہ پہلے پانچ سو کالج تھے تو اب ہزار ہونے چاہیے لیکن شاید آپ کو آج اس شہر میں ایک سو کالج بھی نہ نظر آئیں۔ اور جو کالج

آج ہیں بھی ان میں صرف وہی لوگ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں جن کے پاس تعلیم کے لیے پیسہ ہے۔

یاد رہے ٹھٹہ ہندوستان کے دارالحکومت سے ایک ہزار میل دور تھا۔اتنے دور کے شہر میں الگزینڈر کے مطابق پانچ سو کالج تھے جبکہ پرائمری سکول وغیرہ اس کے علاوہ تھے۔اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک دور دراز علاقے میں اتنے تعلیمی ادارے تھے تو پھر اس وقت کے بڑے اور ترقیافتہ شہروں میں کتنے تعلیمی ادارے ہوں گے۔

مقریزی اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

محمد تغلق کے زمانہ میں صرف دہلی شہر میں ایک ہزار مدرسے تھے۔

مسٹر کیر بارڈی لکھتا ہے:

انگریزی عملداری سے قبل بنگال میں اسی ہزار مدرسے تھے اس طرح چار سو آدمیوں کی آباد کے لیے ایک مدرسہ کا اوسط ہوتا تھا۔

انڈین ریفارم سوسائٹی نے 1853 میں ایک رسالے میں لکھا:

ہندووں کے زمانہ میں ہر موضع میں ایک مدرسہ ہوتا تھا، ہم نے چوں کہ دیہاتی کمیٹیوں کو توڑ دیا اس سے ان کے باشندے مدارس سے بھی محروم ہو گئے، اور ہم نے ان کی جگہ کوئی چیز قائم نہیں کی۔

کئی انگریز ماہر تعلیم مصنفین نے اپنی کتابوں میں یہ بات لکھی ہے کہ قدیم ہندوستان میں تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد آج کے جدید دور سے زیادہ تھی۔ لیکن پھر یہ ہوا کہ ہندوستان میں انگریز آ گیا اور انگریز نے یہاں کے تعلیمی نظام کو درھم برھم کر کے رکھ دیا، یہ سب کیسے ہوا یہ بھی ملاحظہ کریں۔

انگریز کے آنے کے بعد ہندوستان کی تعلیمی بربادی

جب انگریز نے ہندوستان میں اپنے پنجے گاڑے تو اسے سب سے زیادہ خطرہ اسی بات سے تھا کہ اگر لوگ اسی طرح تعلیم یافتہ رہے تو ہماری حکومت یہاں پکی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی

ہم یہاں لوٹ مار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر ہندوستان سے تعلیمی اداروں کو ختم کرنا شروع کیا۔ چنانچہ 1838 میں تمام تعلیمی اداروں کی وقف شدہ زمینوں کو سرکاری قبضہ میں لے لیا۔

سر ولیم برٹش انڈیا میں لکھتا ہے:

میرے خیال میں انسانی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ چند اغیار (انگریز غیر ملکی) چھ کروڑ کی آبادی کے ملک پر حکمرانی کر سکیں، اس لیے جوں ہی وہ تعلیم یافتہ ہو جائیں گے تو تعلیم کی تاثیر سے ان کے قومی اور مذہبی تفرقے دور ہو جائیں گے جس کے ذریعہ سے اب تک ہم نے اس ملک کو اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے، یعنی مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف کرنا اور علی ہذاالقیاس تعلیم کا اثر یہ ضرور ہو گا کہ ان کے دل بڑھ جائیں گے اور انہیں اپنی طاقت سے آگاہی ہو جائے گی۔

ناظرین یہ وہ مقاصد تھے جن کے لیے انگریزوں نے ہندوستان میں تعلیمی اداروں کو زبردستی بند کروایا، پرانے تعلیم یافتہ لوگ چالیس پچاس سال میں ختم ہو گئے، اور نئی نسل تعلیم سے بے بہرہ تھی ہر طرف جہالت کے اندھیرے چھا گئے اور لوگ مکمل طور پر غلامی کے شکنجے میں کس لیے گئے۔

1823 میں آنریبل ایف وارڈن نے لکھا:

ہم نے دسیوں ذہانت کے چشمے خشک کر دیے، ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف ان کی علمی ترقی کے ذرائع کو ہٹالیا بلکہ حالت یہ ہے کہ قوم کے اصلی علوم بھی گم ہو جانے سے لوگوں کی ذہانت کی پیداوار بھی ختم ہو گئی۔

ناظرین ہندوستان کو ہمیشہ غلام رکھنے کی ہوس اور اسے لوٹتے رہنے کی خواہش سے انگریزوں نے ہمیشہ یہی پالیسی جاری رکھی کہ ہندوستانیوں کو تعلیم سے محروم کر کے ان کی ذہانت کو تباہ کیا جائے۔اس حوالے سے برطانوی پارلیمنٹ میں کیا کیا کھچڑی پکتی رہی اس کی روئیداد سن کر آپ دھنگ رہ جائیں گے۔

سن 1792 میں پارلیمنٹ میں ایک تجویز پیش کی گئی کہ ہندوستان میں پروٹسٹنٹ مذہب کے عقائد اور تعلیمات کو عام کیا جائے۔اس تجویز کے جواب میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مالکان نے کہا کہ:

ایک ہی مذہب کے قائم ہو جانے سے انسانوں کے مقاصد متحد ہو جاتے ہیں، اگر ایسا ہو گیا تو ہندوستان میں انگریزوں کی برتری کا خاتمہ ہو جائے گا(یعنی اگر ہندوستان میں لوگوں کا عقیدہ عیسائیت والا بن گیا تو پھر برطانیہ اور ہندوستان میں کیا فرق رہ جائے گا لہذا) لوگوں کو اپنے مذہب میں لانے کا اصول اس اٹھارویں صدی میں خلاف مصلحت ہے، اگر ہندوستان میں چند لاکھ عیسائی بھی پیدا ہو گئے تو ہمارے مفادات پر سخت مصیبت آجائے

گی۔(یعنی پھر ہم یہ لوٹ مار تو نہیں کر سکیں گے)اس لیے بجائے اس کے کہ ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے مراکز قائم کیے جائیں جس نے تعلیم حاصل کرنی ہے وہ برطانیہ آکر حاصل کرے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی تعلیم مخالف پالیسیاں کوئی معمولی معاملہ نہیں تھا کہ اتنی آسانی سے لوگ خاموشی اختیار کر لیتے چنانچہ ہر طرف سے آوازیں اٹھتی رہیں یہاں تک کہ بعض معتدل مزاج انگریز بھی آوازیں لگاتے رہے کہ ہندوستانیوں کو تعلیم سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔چنانچہ اس کے نتیجے میں 7مارچ 1835 کو ایک اجلاس میں کمیٹی قائم کی گئی جس کا صدر لارڈ میکالے کو بنایا گیا،لارڈ میکالے نے ایسی پالیسی اختیار کی کہ ہندوستان میں تعلیمی ادارے تو بنائیں جائیں لیکن وہ تعلیمی سسٹم،نصاب اور ادارے ایسے ہونے چاہیے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے کے مصداق تعلیمی ادارے تو بنیں لیکن ہندوستانیوں کو تعلیم نہ ملے بلکہ وہ اس تعلیم کو حاصل کر کے مکمل ہماری غلامی میں آجائیں۔چنانچہ اس مقصد کے لیے جو جو اقدامات کیے گئے وہ مندرجہ ذیل تھے۔

1۔تمام علوم و فنون کی تعلیم مکمل انگریزی میں دی جائے۔ظاہر ہے سات ہزار میل دور کی ایک ایسی زبان جو یہاں کے لوگوں کے لیے بالکل اجنبی ہو گی تو ان کی ساری صلاحیت الفاظ کے معنی و مطلب کو سمجھنے میں ہی لگے گی اور وہ علوم و فنون کیا خاک سیکھیں گے۔

2۔ پھر جو فنون داخل درس کیے گئے وہ اتنے ہر گز نہیں تھے جس سے کوئی بڑا ماہر پیدا ہو سکتا تھا۔

3۔ فضول اور بہت زیادہ کتابیں شامل کر کے بچوں کے دماغ کو اتنا الجھا دیا گیا کہ وہ بیکار ہو گئے۔

4۔ نصاب میں سائنس اور طبیعات کی ایسی کتابیں شامل کی گئیں جو محض خیالی اور دین و مذہب سے بیزار کرنے والی تھیں۔

5۔ نصاب ایسا بنایا گیا کہ پڑھنے والا زیادہ سے زیادہ انگریزوں کے دفاتر میں کلرک اور ترجمان لگ سکے۔

چنانچہ لارڈ میکالے نے اپنے اغراض و مقاصد کو ان الفاظ میں بیان کیا:

ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے۔ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔ (یعنی ہم اسکولوں کے ذریعے ہندوستانیوں کی ایک ایسی کھیپ تیار کرنا چاہتے ہیں جو رنگ و نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہی ہوں لیکن دل و دماغ کے اعتبار سے انگریز ہوں)۔

چنانچہ لارڈ میکالے کے لائے ہوئے نظام تعلیم کے تحت قائم ہونے والے سکولوں، کالجوں، اور یونیورسٹیوں کے نتائج چند ہی سالوں بعد ظاہر ہونا شروع ہو گئے اور جو لڑکے ان اداروں سے فارغ التحصیل ہوئے وہ اپنے اسلاف، اور مذہب سے بیزار اور متنفر ہوتے تھے۔

چنانچہ ڈبلیو ہنٹر کہتا ہے:

ہمارے انگلوانڈین اسکولوں سے کوئی نوجوان خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان ایسا نہیں نکلتا جو اپنے آباواجداد کے مذہب سے انکار کرنا نہ جانتا ہو، ایشیا کے پھلنے پھولنے والے مذاہب جب مغربی سائنس بستہ حقائق کے مقابلہ میں آتے ہیں تو سوکھ کر لکڑی ہو جاتے ہیں۔

انگریزوں کے ایسے تعلیمی ادارے قائم کرنے کے باوجود سو سال بعد جب مردم شماری کی گئی تو ہندوستان میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد صرف تین فیصد تھی، کہاں وہ ہندوستان جو انگریزوں کے آنے سے پہلے پچاس فیصد سے زیادہ پڑھا لکھا تھا اب انگریزوں کے آنے اور انگریزی نظام تعلیم نافذ کرنے کے بعد وہاں صرف تین فیصد لوگ پڑھے لکھے تھے۔ پھر اگلے پچاس سال بعد یعنی 1921 کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں صرف ساتفیصد لوگ پڑھے لکھے تھے۔

جبکہ اس کے مقابلے میں روس نے 1918 سے 1941 تک صرف پچیس سالوں میں اپنی آبادی کے اسی فیصد لوگوں کو تعلیم یافتہ بنایا۔اسی طرح جاپان نے صرف سو سالوں میں نوے فیصد لوگوں کو تعلیم یافتہ بنایا لیکن انگریز نے دو سو سالوں میں صرف دس فیصد لوگوں کو تعلیم یافتہ بنایا۔

سر ڈی ہملٹن نے کہا تھا:

اگر کبھی انگریزوں کو ہندوستان اس طرح چھوڑنا پڑا جس طرح رومن نے انگلستان (برطانیہ) چھوڑا تھا تو وہ (ہندوستان) ایک ملک چھوڑ جائیں گے جس میں نہ تعلیم ہو گی، نہ حفظان صحت کا سامان ہو گا اور نہ ہی دولت ہو گی۔

06۔مذہبی رواداری اور فرقہ واریت انگریزوں سے پہلے اور بعد

انگریز کے آنے سے پہلے ہندوستان میں مذہبی رواداری

ناظرین انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندوستان مذہبی رواداری کے لحاظ سے دنیا بھر کے لیے ایک مثالی ملک تھا، یہاں ایک دو تین نہیں بلکہ بیسیوں مذاہب کے ماننے والے رہتے تھے۔ مسلمانوں کے سینکڑوں سالہ دور حکومت میں تمام مذاہب کے ساتھ برابری والا سلوک کیا جاتا تھا، عام روٹین کے لڑائی جھگڑوں کے علاوہ کبھی مذہبی منافرت اور تعصب

کی بناءپر کبھی لڑائیاں یافرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوتے تھے۔غیر مسلموں کو یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ ہم کسی غیر مذہب حکمران کے زیر سایہ زندگی گزار رہے ہیں۔

چنانچہ لارڈ ولیم جو پہلے مدراس کا گورنر تھااور بعد میں ہندوستان کا وائسرائے بھی رہاہے اس نے 1882 میں اپنی کمپنی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا:

بہت سی باتوں میں اسلامی حکومتیں انگریزی راج سے کہیں بہتر تھیں۔مسلمان اس ملک میں آباد ہوگئے جسے انہوں نے فتح کیا تھا،وہ ہندوستانی باشندوں سے گھل مل گئے۔ان میں شادی بیاہ کرنے لگے۔مسلمانوں نے ہندوستانی قوموں کو ہر قسم کے حقوق دیے فاتح اور مفتوح کے مذاق دلچسپی اور ہمدردی میں یکسانیت تھی۔کوئی فرق نہ تھا۔برخلاف اس کے انگریزی پالیسی اس کے برعکس ہے۔اب سرد مہری،خود غرضی،بے پرواہی ہے۔جس میں ایک طرف حکومت کا آہنی پنجہ حکمران ہےاور دوسری طرف ہر چیز پااپنا قبضہ ہےاور ہندوستانیوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔

ناظرین انگریزوائسرائے کی اس واضح شہادت سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں مذہبی رواداری کی کیسی فضاء قائم کرر کھی تھی۔اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ میں بنگال کے ہندووں کو نہ صرف جاگیری دی جاتیں تھیں،بلکہ بڑے بڑے حکومتی عہدے بھی دیے جاتے تھے،جن میں گورنر تک کے عہدے شامل تھے،بلکہ آپ حیران

ہوں گے کہ اس دور میں افغانستان جو خالصتا مسلمانوں کا علاقہ تھا وہاں بھی نائب سلطنت ایک ہندو راجپوت کو بنایا گیا۔

پنڈت سندر لال کہتے ہیں:

اکبر جہانگیر، شاہجہاں اور ان کے بعد اورنگ زیب کے تمام جانشینوں کے زمانہ میں ہندو اور مسلم یکساں حیثیت رکھتے تھے، دونوں مذاہب کی مساویانہ عزت و توقیر کی جاتی تھی اور مذہب کے لیے کسی کے ساتھ کسی قسم کی جانب داری نہ کی جاتی تھی۔ آج تک ہندوستان میں متعدد ہندو مندروں کے ذمہ داران کے پاس اورنگ زیب کے دستخطی فرمان موجود ہیں جن میں خیرات اور جاگیروں کے عطا کیے جانے کے تذکرے ہیں۔ اسی طرح اورنگ زیب نے مختلف شعبوں میں ہندو ماہرین کو نہ صرف اعلی اعزازات سے نوازا بلکہ ان کو اہم عہدے اور رقبے بھی عطا کیے۔

چنانچہ مسٹر ظہیر الدین فاروقی لکھتے ہیں:

ہندووں کو اپنی سرکار میں ملازم رکھنے کے سلسلہ میں اس کا خیال تھا کہ مذہب کو دنیاوی امور کے بیچ میں لانا بے معنی ہے اور اس قسم کے معاملات میں مذہبی عصبیت کو راہ نہ دینا چاہیے۔

شہنشاہ محمد ظہیر الدین بابر مرحوم اپنے بیٹے محمد ہمایوں کو خفیہ وصیت میں لکھتا ہے:

اے بیٹے! سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے بھری پڑی ہے، الحمدللہ کہ اللہ نے تمہیں یہ بادشاہت عطا فرمائیں۔ تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبیہ کو لوح دل سے دھوڈالو۔ اور عدل وانصاف کرنے میں ہر مذہب وملت کے طریق کا لحاظ رکھو، جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ جو قوم یا ملت حکومت کی مطیع اور فرماں بردار رہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کیے جائیں عدل وانصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے۔ شیعہ سنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا۔ اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا کر رکھو اور ان میں اتحاد عمل پیدا کرو۔

ناظرین اسی طرح اورنگ زیب نے اپنے ایک فرمان میں لکھا:

ہماری پاک شریعت اور سچے مذہب کی رو سے یہ ناجائز ہے کہ غیر مذہب کے قدیمی مندروں کو گرایا جائے۔ لہذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ کوئی شخص ہندوؤں اور برہموں کو کسی وجہ سے بھی تنگ نہ کرے اور ان پر کسی قسم کا ظلم کرے۔

کیپٹن الگزینڈر ہملٹن ٹھٹہ کے بارے لکھتا ہے:

ریاست کا مسلمہ مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانہ میں کرتے تھے۔ جبکہ بادشاہت خود ہندوؤں کی تھی۔

الگزینڈر سورت شہر کے بارے لکھتا ہے:

اس شہر میں اندازا سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں کبھی کوئی سخت جھگڑے نہیں ہوتے ہر ایک کو پورا اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنے طریقے سے اپنے معبود کی پرستش کرے۔ عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ وہ اپنے گرجے بنائیں وغیرہ۔

میجر باسو کہتا ہے:

رعایا کی خوشحالی اور سرمایہ داری کے اعتبار سے بھی مسلمانوں کا دور حکومت سونے کے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے دولت مندی اور آرام وچین کا جو نقشہ شاہجہاں کے وقت میں دیکھنے میں آتا تھا بلا شبہ بے مثل و بے نظیر تھا۔

ناظرین ان تمام گواہیوں کی روشنی میں ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہندوستان انگریزوں کے آنے سے پہلے مذہبی تعصب اور فرقہ واریت سے پاک ملک تھا، یہاں ہر ایک کے ساتھ برابری

کا سلوک کیا جاتا تھا۔اور حسب قابلیت ہر ایک کو حصہ بھی ملتا تھا۔ جس کا نتیجہ خوشحال ہندوستان کی صورت میں دنیا کے سامنے تھا، مگر افسوس کہ پھر انگریز آگیا اور اس نے ہندوستان کی ان تمام خوبیوں کو خرابیوں میں بدل دیا مذہبی رواداری ختم اور فرقہ واریت شروع کرادی گئی، یہ سب کیسے ہوا یہ بھی ملاحظہ کریں۔
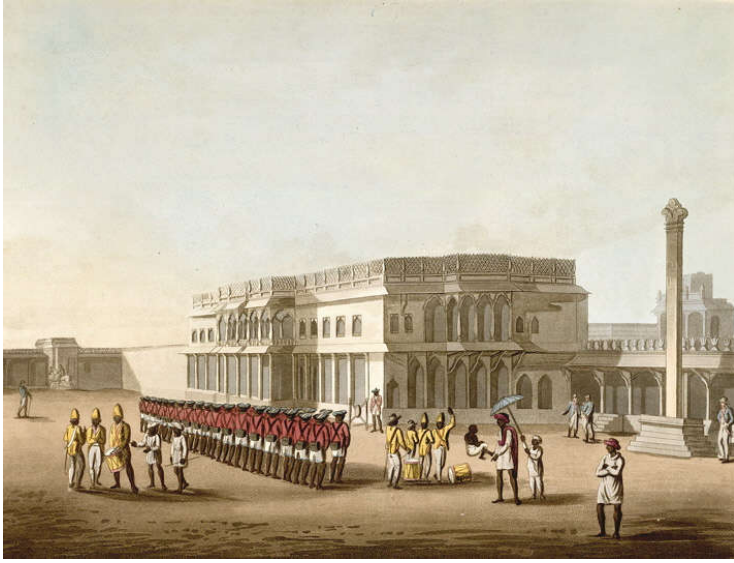
انگریز کے آنے کے بعد ہندوستان میں مذہبی رواداری اور فرقہ واریت کی حالت

ناظرین ہندوستان کو اپنے آہنی پنجوں میں جکڑ کر اس کی دولت کو چوس چوس کر انگلینڈ منتقل کرنا یہی انگریزوں کی اصل پالیسی تھی، چاہے اس کے لیے شکار مرے یا جیے برطانیہ

کواس کی کوئی فکر نہ تھی، چنانچہ انگریز نے ہندوستان کو سخت فلاکت اور بربادی کے گڑھے میں ڈال دیا اور ایسے گندے اخلاق واعمال میں مبتلا کر دیا کہ صدیوں کے بعد آج تک ہندوستان کے سنبھلنے کی نوبت نہیں آئی۔

چنانچہ سر جان میلکم کہتا ہے:

اس قدر وسیع ملک میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی جماعتیں ہیں ان کی عام تقسیم ہو اور پھر ہر ایک جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں اور فرقوں اور قوموں میں ہوں جب تک یہ لوگ اس طریقہ سے (فرقہ واریت میں) جدا جدا رہیں گے اس وقت تک کوئی بغاوت اٹھ کر ہماری حکومت کو ختم نہ کر سکے گی۔

یعنی ہر جماعت کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا جائے، جب ایک ٹکڑا تھوڑا سا بڑا ہو تو اسے مزید ٹکڑوں میں بانٹ دیا جائے۔ یہ تقسیم ہر لحاظ سے ہو یعنی سیاسی، مذہبی، قومی اور لسانی ہر اعتبار سے لوگوں کو تقسیم در تقسیم در تقسیم کر کے رکھا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے ایسی ایسی کتابیں لکھی گئیں جن میں مسلمان بادشاہوں کے فرضی اور غیر واقعی مظالم دوسری قوموں پر دکھا کر انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا گیا۔

اس زمانہ میں جتنی بھی کتابیں لکھی ہوئیں تھی وہ اکثر ہندووں کی لکھی ہوئیں تھیں جن میں مسلمانوں کی عظمت ایثار وقربانی کا ذکر تھا، چنانچہ انگریز یہ برداشت نہ کرسکا اور من گھڑت کتابیں لکھنے کا فیصلہ ہوا۔ سب سے پہلے سر ہنری ایلیٹ نے 1849 میں ایک کتاب لکھی اور مسلمانوں کے سابقہ دور حکومت کے خلاف زہر اگلا اور دوسری اقوام کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ پھر اس کتاب کے مختلف مقامی زبانوں میں ترجمے کرکے پھیلائے گئے۔ مسٹر ایلیٹ کو اس بات پر سخت غصہ تھا کہ ہندو مصنفین مسلمانوں کی اتنی تعریف کیوں کرتے ہیں اور وہ اصطلاحات اپنی تحریروں میں کیوں استعمال کرتے ہیں جو اسلامی اصطلاحات ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہندووں کو اگر مسلمانوں کے زمانہ میں تکلیف پہنچی وہتی تو وہ ضرور اپنی تحریروں میں اس کا اظہار کرتے۔

انگریزوں نے اس طرح کی من گھڑت تاریخی کتابیں لکھ کر اور ان کے ترجمے کرکے مختلف مذاہب کے لوگوں کو لڑانے کی بھرپور کوشش کی خاص طور پر مسلمانوں اور ہندووں کو ایک دوسرے کے خلاف کرنے کی کوشش کی، یہ کوشش مسلسل دوسوسالہ تک جاری رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئی نسلوں میں یہ من گھڑت باتیں حقیقی تاریخ کی صورت قبول کرلی گئیں۔

مسٹر ایلیٹ کے بعد مسٹر کیمسن نے بھی ایسی ہی ایک کتاب لکھی، اور اسی قسم کی کتابیں سکولوں کے نصاب میں بھی شامل کی گئیں۔ جس سے ملک کا امن تباہ ہو گیا، ہر طرف خلفشار پھیل گیا، فرقہ واریت عام ہو گئی اور لسانیت، قومیت، علاقایت کی بنیاد پر سیاسی جماعتیں وجود میں آ گئیں۔ پھر ان جماعتوں کے ناتجربہ کار، جو شیلے مقرروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

چنانچہ اسی بات کی شکایت کرتے ہوئے ڈبلیو ایم ٹارانس اپنی کتاب ایشیا میں شہنشاہیت میں لکھتا ہے:

سیوا جی کو متعصب اور سلطان ٹیپو کو کٹر مذہبی کہا جاتا ہے۔ لیکن جس وقت ہم نے جنوبی ہند کی ریاستوں میں دخیل ہونا شروع کیا اس وقت ان کے یہاں اس قسم کے مذہبی تنفر کا کہیں نام تک نہ تھا۔ اس دور میں جب آئر لینڈ میں کوئی رومن کیتھولک نہ اپنے بزرگوں کی جاگیر کا حق دار سمجھا جاتا تھا نہ فوج کا افسر ہو سکتا تھا۔ اور جب سویڈن میں سوائے لوتھر کے معتقدین کے اور کسی عقیدہ کا کوئی ملازم نہیں ہو سکتا تھا۔ ٹھیک اس وقت ہندوستان کے اندر ہر شہر اور شاہی دربار میں ہندو مسلمان عزت اور سرمایہ کمانے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں آزاد تھے۔

ناظرین اورنگ زیب کو انگریزوں نے اپنی جھوٹی کتابوں میں متعصب مشہور کیا تھا، اور عالمگیر کو ظالم کہا تھا، لیکن یہی مسلمان حکمران تھے جن کے فوجوں کے سر براہ بھی ہندو ہی ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ سیوا جی نے جب بغاوت کی تو اس سے مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے جے سنگ سپہ سالاری کرتا ہوا پہنچتا ہے اور اس کو قید کر کے عالمگیر کے سامنے پیش کرتا ہے۔ سیوا جی معافی طلب کرتا ہے تو عالمگیر اس کے تمام جرائم پر اسے معافی بھی دے دیتا ہے حالانکہ اس نے حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی اور ہزاروں فوجیوں کا خون بہایا تھا۔ یہی سیوا جی اس معافی کے بعد دوبار پھر بغاوت کرتا ہوا پکڑا جاتا ہے لیکن مسلمان حکمران پھر بھی اسے قتل نہیں کرتے بلکہ تیسری مرتبہ صرف جیل میں قید کر لیتے ہیں اور کچھ عرصہ بعد یہ جیل سے زندہ فرار ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس انگریزی قانون میں تو صرف سازش کرنے والے کو کالے پانی کی سزا دے دی جاتی تھی۔ بغاوت کرنا تو بہت بڑا جرم تھا۔

ایک انگریز گورنر نے 14 مئی 1859 کو ایک یاداشت میں لکھا:

نفاق ڈال کر حکومت کرنا رومیوں کا اصول تھا اور یہی اصول ہمارا بھی ہونا چاہیے۔

اسی طرح کارنے ٹیکس نے 1821 میں لکھا تھا:

لڑاؤ اور حکومت کرو، ہماری حکومت کا اصل اصول ہونا چاہیے۔

مسٹر ایڈورڈ ٹامسن اپنی کتاب میں انقلاب 1857 کی تصویر کا دوسرا رخ میں لکھتا ہے:

برٹش سیاست کو مد نظر رکھتے ہوئے تو ہم نے مسٹر گلیڈ سٹون اور لارڈ سالبری جیسے مشہور زمانہ مدبرین کے خیالات کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ وقت کی ضرورت ان کے برخلاف حکم دیتی تھی لیکن ہندوستان کے متعلق ہم ابھی تک اسی فرسودہ پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستانیوں میں نااتفاقی اور باہمی اختلاف کو زندہ رکھنا قدیم سے ہمارے سیاست دانوں کا نہایت مرغوب مشغلہ بنا ہوا ہے۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کے ایک دوسرے کے خلاف کرنے کے لیے جو جو طریقے اختیار کیے گئے ان میں سے ایک طریقے کے بارے ایک انگریز آنریبل امبکا چرن لکھتا ہے:

اول اول اپنی عملداری کے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کو بڑھایا گیا اور اس کے بعد ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو اٹھایا گیا جو باہمی رنجش اور عداوت کا ذریعہ بنا۔

ناظرین اس طرح انگریزوں نے ہندوستان میں رہنے والے مختلف مذاہب کے لوگوں کو رنگ و نسل، زبان و علاقہ کی تفریق میں مبتلا کر کے مذہبی اور سیاسی فرقہ واریت کو پروان چڑھایا اور ہندوستان کی قوموں کو آپس میں لڑا لڑا کر یہاں کا معاشی خون چوس کر انگلینڈ میں نچوڑ دیا۔